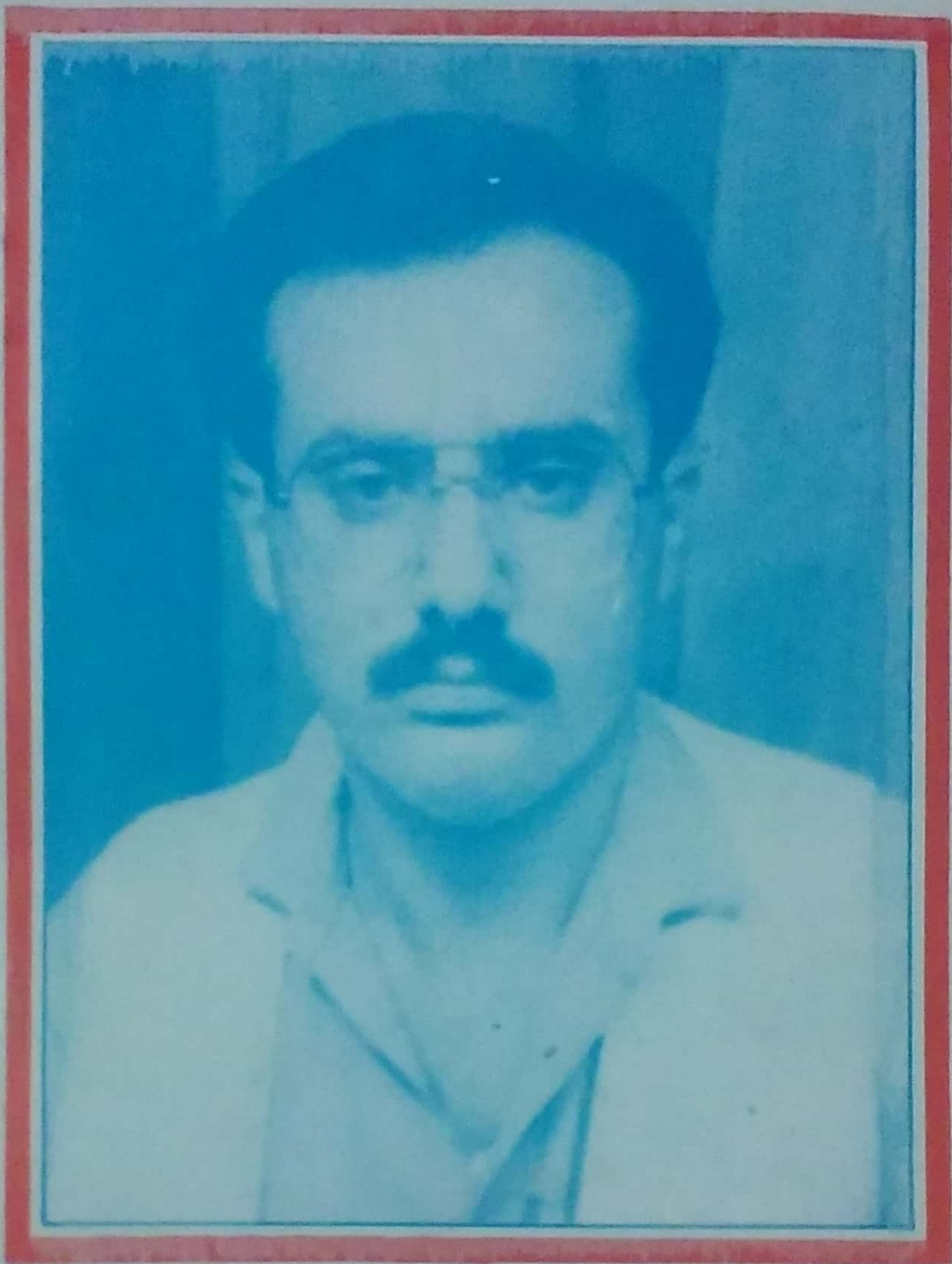


پایس ننگر میں پرہی پارش

میاں لطیف شاہ شاہ

Ketabton.com

زبد اہتمام: انجمن ادبیات سرحد (رجسٹرڈ) اکوڑہ خٹک



میں تو سقراط ہوں ہر دور میں سچ بولوں گا
کوئی ناخوش ہے تو پھر زہر پلا دے مجھ کو

۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیا سن نگر
میں پہلی بارش

تخلیق

میاں لطیف شاہ شاہد

زیر اہتمام

انجمن ادبیات
اکوڑہ ننکانہ

انتساب

اپنے ادنیٰ سے خوابوں کے نام۔۔۔۔۔

زندگی اک خواب کا عنوان تھا

جس میں بس تعبیر کا فقدان تھا

سید غلام علی شاہ شہر کے نام۔۔۔۔۔

میں اُسکی ذات کو تنہا سمجھ کے بیکل تھا

وہ اپنی ذات میں اک رنگ و بو کی محفل تھا

اپنے مروجہ دوست ایاز کے نام۔۔۔۔۔

تیرے گھٹن کو نجانے کس کی نظریں کھ گئیں

تیرے ارمانوں کی کلیاں بن کھلے مرجھ گئیں

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب۔۔۔۔۔ پیدائش نگریں پٹی پارس

مصنف۔۔۔۔۔ میاں لطیف شاہ شاہد کھیل

بار اول۔۔۔۔۔ جون ۱۹۹۳ء

تعداد۔۔۔۔۔ ایک ہزار

طابع۔۔۔۔۔ اکبر پرنٹنگ پریس شہرہ

کتابت۔۔۔۔۔ محمد عبدالرحمن قادری

قیمت۔۔۔۔۔ ۲۲۰ روپے

میاں لطیف شاہ شاہد نئی نسل کے اُس گروہ سے تعلق
 رکھتے ہیں جس کے بارے میں کبھی اقبال نے کہا تھا کہ
 عذرِ ذرا تم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی
 میں ذاتی طور پر اس نوجوان شاعر سے زیادہ واقف نہیں ہوں
 مگر جس مٹی سے اس کا خمیر اٹھا ہے اُس مٹی کی زرخیزی سے
 بخوبی واقف ہوں۔ خمیر کی گود میں ایسے شگفتہ گلابوں کا کھنڈا
 قطعاً باعثِ حیرت نہیں ہے۔

افسوس کہ میں بوجہِ عدالت، میاں صاحب کا مکمل کلام
 نہ پڑھ سکا۔ مگر جو کچھ میں پڑھ سکا وہ بھی اتنا کافی نہیں کہ
 میں شعر و ادب کی دنیا میں اس نووارد کے روشن مستقبل
 کی پیش گوئی نہ کر سکوں۔

میاں صاحب کے ہاں تخیل اور وجدان کی فراوانی ہے
 وہ ایک جِسّاسِ دل کے مالک ہیں۔ اور الفاظِ برتے کا ہنر
 جانتے ہیں اور یہی وہ چند خوبیاں ہیں جو کسی شاعر کا سرمایہٴ افتخار

دیکھنا اونچے مکاں والوں کو بھی بے باک و در
 آکے چل نکلے ہیں ایسی بارشوں کے سلسلے

۸
 سمجھتی جاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر انھوں نے اسی شوق اور
 وارفتگی سے مشق جاری رکھی تو عنقریب ان کا شمار ملک کے
 ممتاز شعراء میں کیا جائے گا۔

حبیب جالب (مرحوم)

۱۸ فروری ۱۹۹۳ء

(یہ حبیب جالب مرحوم کی غالباً آخری تحریر تھی)

~~.....~~

۹
 "پایاں لگے ہیں پہلی بارش" اتنی ہی خوبصورت کتاب ہے۔
 جتنا خوبصورت اس کا عنوان ہے۔ ایک اُبھرتے ہوئے نوجوان شاعر
 سے جس معیار کی توقع کی جاسکتی ہے، یہ کتاب اس سے کہیں
 معیاری ہے۔ جھیل کی بلندی، لغزل کی ذراواں، انھوں کو
 کشیدہ کاری، لطیف تشبیہات، نازک استعارات اور ان کا موزوں
 استعمال، عمدہ تافیہ پیمانی اور ردیف کے خوبصورت استعمال
 شاعری کے اس مجموعے کو ایک عمدہ فن پائے کی شکل دیدی ہے
 شاہد کو غزل اور نظم دونوں اصنافِ سخن پر مکمل عبور حاصل
 ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ان کی غزل نے زیادہ متاثر کیا ہے جو جلد
 اور کلاسیکی طرز کا حسین امتزاج ہے۔

شاہد بنیادی طور پر ایک رجائیت پسند شاعر ہے۔ اُس کی قنوطیت
 میں بھی رجائیت کا اک واضح احساس موجود ہے۔ وہ ناامیدی میں
 بھی امید کا دم بٹاتا ہے نہیں چھوڑتا۔ مجھے قوی امید ہے کہ پاکستان
 پہلی بارش خوش وقت فزین کی لائبریریوں میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوگی
 محمد اسلم الحق

(لاہور)

زندگی کی تاریک اور متعفن گلیوں کا رخ کر رہا ہے۔ اس کی سیما بی
روح مضطرب ہو چکی ہے اور نئی دنیاؤں کی تلاش میں ہے۔
مختصر یہ کہ پیس نگر میں پہلی بارش "اپنے ساتھ تازہ ہوا کے جھوکے
لیکرائی ہے۔ خدا کرے کہ یہ بارش آنے والی بہت سی بارشوں کا
پیش خیمہ ثابت ہو۔

ڈاکٹر نکیت جہاں دہانی
(کراچی)

میاں لطیف شاہد اُجلے اُجلے، نکھرے نکھرے اور پاکیزہ
جذروں کا ترجمان، ایک نوجوان شاعر ہے جس کی ذہین آنکھوں
میں ذہانت کے جگنو چمکتے ہیں اور جس کے متین چہرے سے منت
کے رنگ چھلکتے ہیں۔ شاہد کی شاعری ایک حساس مگر زندہ
دل انسان کی شاعری ہے۔ اس کی شاعری کا کینوس بہت وسیع
ہے جس میں شرارت و ظرافت کے شوخ رنگوں کے ساتھ ساتھ
فکری و فلسفہ کے دھیمے رنگوں کی حسین آمیزش ہے۔ اُس کی زبان
شستہ، اور خیالات عمیق ہیں۔ افتادِ طبع کے اعتبار سے وہ ایک
رومانی شاعر ہے، مگر دوسرے نوجوان شعراء کے برعکس اُس کی
زمانیت میں بھی ایک گہری اور متین حقیقت پسندی کی جھلک
ملتی ہے۔ شاہد کے ہاں زندگی کی بد صورتی کے خلاف غم و غصہ پایا
جاتا ہے۔ مگر غم شعراء کے برعکس وہ اس بد صورتی کو صرف محسوس
ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے چہرے سے نقاب الٹ دینے کی سزا
بھی کرتا ہے۔ اُس فن عنفوانِ شباب کی طلسماتی فضا سے نکل

دو باتیں

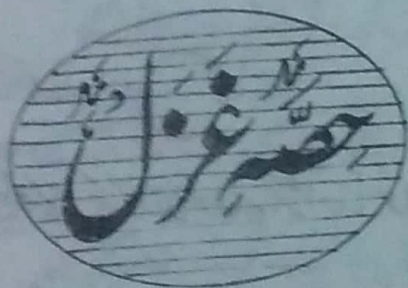
لوگ کہتے ہیں کہ میں شاعر ہوں، شاعری کرتا ہوں۔ دلیل مانگتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جس شخص کے تین شعری مجھے چھپ چکے ہوں۔ اور چونکہ اشاعت کے مرحلوں سے گزر رہا ہوں۔ وہ شاعر نہیں تو کچھ کون ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ میرے دوستوں اور کرم فرماؤں کا مجھے شاعر سمجھنا ان کا حسن ظن ہے۔ میں نہ شاعر ہوں اور نہ کبھی بن سیکوں گا۔ کیونکہ شاعر تو ایک عظیم انسان ہوتا ہے، جس کے تخیل کی کوکھ سے قوموں کا مستقبل جنم لیتا ہے اور جس کے قلم کی نوک پر دنیا کی تقدیر رکھی ہوتی ہے۔ حکمہ میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں، جسے اپنی ذات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ میرا کمال اگر کوئی ہے تو بس اتنا ہے کہ میں عام لوگوں کے برعکس اپنی ذات کا کرب صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ اسے قلم کی زبان سے کر لوگوں میں بانٹ دیتا ہوں۔

جسے یا ر لوگ میری شاعری قرار دیتے ہیں۔ وہ چند بکھری ہوئی بے چین سوچوں، چند بکڑے ہوئے آوارہ جذبول اور کچھ بکری ہوئی بے ربط باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں، کبھی میری ذات کے کرب، کبھی میرے دل کی کسک، اور کبھی میری روح کی گھٹن کا اظہار بن جاتی ہیں۔ معاشرے کا زہر جب میرے احساس کی رگوں میں اترتا ہے تو میں اپنے گھائل احساس کی ٹیسیں صرف اپنے آپ تک محدود نہیں رکھ پاتا، بلکہ اس زہر کو اپنے قلم میں اتار کر گویا اپنا درد بانٹ دیتا ہوں۔ یہی میرا شغل ہے، اور اگر کوئی مُصر ہے۔ تو یہی میری شاعری بھی۔ پیاس نگر میں پہلی بادشہ، ابھی ہوئی تو نہیں، مگر میں ہر امید ہوں کہ کسی دن آسمان برسے گا، اور خوب برسے گا۔ میری پیاسی نگری میں کسی دن بارش ضرور ہوگی۔ موسلا دھار بارش، جس کے بعد میری ہاتھ دھرتی کی کوکھ سے بھی شگفتہ کونپلیں بھوٹینگیں۔ امن کی کونپلیں، محبت کی کونپلیں، خوشحالی کی کونپلیں۔

آخر میں ان تمام دوستوں اور کرم فرماؤں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو سبائے سنوایا

اور اشاعت کے قابل بنانے میں مجھ سے تعاون کیا۔
میں محترم امجد اسلام امجد اور محترمہ نگہت جہاں درانی
کا از حد مشکور ہوں، اور مرحوم حبیب جالب کے لئے دست
بدعا ہوں جنہوں نے اپنی گرانبوا تحریروں کے ذریعے میری
عزت افزائی کی۔

میاں لطیف شاہ شاہد
۱۱۶۲ ہسپتال روڈ نوشہرہ کینٹ
۵ مئی ۱۹۹۳ء



دل و نگاہ میں جیسے ٹھہر گیا موسم
 تمہارے بعد نہ بڑا یہ درد کا موسم
 گزر چکے ہیں نظر سے ہزار با موسم
 کسی کے وعدہ شب کا نہ اسکا موسم
 بچھڑ گئے ہوا گرم تو مر نہ جاؤں گا
 بچھڑ کے آپ سے میرے کا تھا موسم
 خزاں کی رت بھی ہزاروں کیسا چلتی ہے
 کہاں وہ باغ کہ جس میں ہوا ایک سا موسم
 کہاں یہ وصل کی بے کیف بے مزہ گھڑیاں
 کہاں وہ تیری جدائی کا خوشنما موسم
 سنا ہے روز کسی کی نگاہ کے صدقے
 کسی کے سن پہ آتا ہے اک نیا موسم
 ترے وصال کی رت کے تو غیر کیا کہنے
 ترے فراق کا موسم بھی خوب تھا موسم

اپنے افکار کے کا ندھوں پہ اڑا جاتا ہوں!
 میرے عرفان کے رستے میں نہ آئے کوئی

تیری صورت سے آشتیا ہوں میں
روں ہی پاگل نہیں ہوا ہوں میں
دم بہ دم مجھ کو آزماتے ہوں
ایک دنیا میں کیا بچا ہوں میں
اجنبی ہے وہ خوبد لیکن
لگ رہا ہے کہ جانتا ہوں میں
ناگ دستا تو مر نہ جاتا میں
ہائے اُس زلف کا دسا ہوں میں
تیری دنیا میں کیوں رہوں اب جب
تیری محفل سے اٹھ چکا ہوں میں
چھاچھے خوشیوں کی پی نہیں سکتا
عشق کے دودھ کا بھلا ہوں میں
میری فریاد سن نہیں سکتے
اور دعویٰ ہے کہ خدا ہوں میں

تیری دلیز پر قدم روکے
چلنے کس سوچ میں کھڑا ہوں میں
دل سے نزدیک یار سے شاہد
دور ہو کر بھی کب جدا ہوں میں



دل اپنا شبِ محبہ میں رات بھر
لشکارتا رہا درد کے دار پر
چھٹی تیری چوکھٹ، چھٹا اپنا گھر
محبت میں یوں ہو گئے در بدر
کبھی ہو ہی جانتی تھی غم سے رہا
تسبیح مل ہی جائے گی اپنی خبر
تغافل سے بڑھتی ہیں رسوائیاں
دراہم پہ بھی ڈالے اک نظر
ہوا اپنے ہی ہاتھ سے اپنا خوں
ہوا عشق کا معرکہ خوب سر
محبت میں شاہد کو اس کا
نہ گلشن، نہ صحرا، نہ مسجد نہ گھر



تجھ سے رشتہ نہ کوئی خاص شناسائی ہے
پھر بھی اک عمر سے دل تیرا متنا ہے
اب کے اُمید و فابانہ رہا ہوں جس سے
لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص بھی ہر جا ہے
دل کی ہر بات سے انکار بھی ممکن ہے
مان لینے میں بھی اندیشہ رسوائی ہے
خود ہی وہ درد بنا، خود ہی دوا بن بیٹھا
خوب اس شخص کا اندازِ مسیحا ہے
اب کے یوں ٹوٹ کے بکھرا ہوں کسی کی خاطر
مجھ کو خود اپنے بکھرنے کی صدا آتی ہے
مانتا ہوں، تری آنکھیں بھی ڈوب دیتی ہیں
لیکن اپنے بھی خیالات میں گہرائی ہے
جا بجا خاک پہ ٹوٹے ہوئے پر بکھرے ہیں
خوب بلبل نے چکنے کی سزا پائی ہے
نکسے میری وہ جواں مرگ کا، بولے شاہد
کیا وہ شاعر جو میرے نام کا سودا ہے؟



تیری نفرت ہی بھلی تھی شاید
 میری چاہت میں کمی تھی شاید
 سب کو بانٹی ہیں خدا نے خوشیاں
 میری بھولی ہی بھری تھی شاید
 وقتِ رخصت نہ ملا میں ہم سے
 سُرخ آنکھوں میں نمی تھی شاید
 ہم جو ڈوبے تو نظارہ کرنے
 موت ساحل پہ کھڑی تھی شاید
 تو نے چاہی، نہ جدائی میں نے
 اپنی تقدیر بُری تھی شاید
 عمر بھر ساتھ نبھانے کی بات
 بے وفا تو نے کہی تھی شاید
 زلف بکھری ہوئی، آنکھیں بوجھل
 رات آنکھوں میں کٹی تھی شاید

گم کر چکے ہیں عشق میں اپنا سرِ غمک
 دل سے جگر سے لیکے نظر تک داغ تک
 پھیلے ہوئے ہیں مجھ میں شکستوں کے سلسلے
 تلوؤں کے زخم زخم سے سینے کے داغ تک
 تجھ سے بچھڑ کے راس اُجالے نہ آ سکے؟
 چھبے ہیں اب نظر میں نظر کے چراغ تک
 سمجھو تو اُس چین کی ہواؤں میں نہ رہے
 کرتے نہ جس چین میں بسیرا مولِ داغ تک

کہتے ہیں شبِ لطیف جہاں سگزر گیا؟
 روتے نہیں ہیں یونہی سب سے ایامِ غمک

۲۴

رات بھر جس نے بھگو یا آنگن
میری آنکھوں کی جھڑی تھی شاید
ہم کو پہچان کے لو لے شاہد
تجھ سے نہ سچہ راہ سنبھلی تھی شاید



۲۵

اٹھے یوں آج تیرے آستیاں سے
گذر جائے کہ جیسے کوئی جاں سے
نہ آنکھوں سے نہ کہتے ہیں زباں سے
نہ جانے کس لئے ہیں بگھاں سے
کسی کی چاہ میں گر موت آئے
ہمیں کیا کام عمر جاوداں سے
پیکار و آج بے شک بھلیوں کو
پندے اڑ چلے ہیں آستیاں سے
تو گائے جا طرب کے گیت اپنے
تجھے کیا میرے غم کی داستاں سے
تجھے بھی کچھ دلا دیتے ستمگر
دفا کی جنس گر ملتی دوکان سے
نہ تھا اپنے مقتدر میں ہی ساحل
گلہ کیا ناخدا سے بادباں سے
گرہیاں چاک سر میں خاک شاید
اٹھے اس حال میں گونے بتاں سے



وہاں دشمنوں نے ہمیں جان سے مارا
یہاں دوستوں نے کفن تک آمارا
نہ آئے وہ امشب، نہ ہی موت آئی
شب غم کی گھڑیوں کو گن گن گزاریا
اُجالا کیا رُخ پہ ان کی سحر نے
سیہ رات نے گیسٹوں کو سوارا
ضروری نہیں مل ہی جائے گی منزل
اگر مل بھی جائے کسی کا سہارا
محبت کی پر خار راہوں میں اکثر
رکے بھی اگر ہم چلے پھر دو بار
شب ہجر نے جان لی مچھ کسی کی
وہ ٹوٹا فلک پہ نیا ایک تارا
جتنے تیری خاطر، مرے تیرے صدقے
تمہاری محبت کا ہر قرض اُتارا

آپ بدلے ہیں تو اب ہم بھی بدل جاتے ہیں
عشقِ ناہام کے صدیوں سے سنبھل جاتے ہیں
صرف یہ سوچ کے پابندِ قفس بھی خوش ہیں
آشپانے بھی تو برسات میں جل جاتے ہیں
بے رُخی آپ کی حیران کئے دیتی ہے
استقرار جلد بھی کیا لوگ بدل جاتے ہیں؟
دیکھیے بھاڑ ہی دیتے ہیں کہ سر دھنستے ہیں
لے کے اُس شوخ کی محفل میں غزل جاتے ہیں
کتنے خوش فہم ہیں عشق کے دل بھی شاید
بے وفاؤں کے بہاؤں سے بہل جاتے ہیں

مری لاش پر آنے کہنے لگے وہ
کہاں کے ارادے ہیں، بولو خدا را
محبت کی بازی میں مست پوچھو شاید
تو اترے جیتا، تو اترے ہارا

قریب قریب گاؤں گاؤں کو بکھو جاتے رہے
تجھ سے ملنے باعقیدت با وضو جاتے رہے
واہ رہے بیچارگی، ہم دیکھتے ہی رو گئے
اور اس عالم کے ہاں میرے کھدو جاتے رہے
میری نظروں میں نہیں چھتا کوئی تیرے سوا
یا جہاں رنگ و بو سے خوبو جاتے رہے
دیکھ لینا ایک دن خود پر فدا ہو جاؤ گے
یو نہی گر تم آئینے کے روبرو جاتے رہے
روز ہی آتے رہے محفل میں وہ ناز آفریں
روز ہی لے کر ہماری آبرو جاتے رہے
روک لے شاید زباں پر مدعاے اشتیاق
پھر نہ کہنا ہاتھ سے وہ تند خو جاتے رہے



رو رو کے اپنے ساتھ جہاں کو ر لائے کون
 اُس بے وفا کی یاد کو جی سے لگائے کون
 تھوڑی سی عمر لاکھ غنیمت ہے اے خدا
 مانند خضر آپ کا احساں اٹھائے کون
 میں ہوں وہ اک شجر جو پھولا نہ پھل سکا
 مجھے بے ثمر کی موت پہ آنسو بہائے کون
 شب نیند کے عالم میں جو غلطی سے چھو لیا
 تھوڑا سا کسمپاس کے وہ بولے کہ ہا کون
 مانگوں نہ اپنی موت کی شاہد میں کیوں نہ
 دنیا میں رہ کے زیست کے صدے اٹھائے کون



ہم کو اس شوخ کی محفل میں بلائے کوئی
 بعد اک عمر کے دیدار کرانے کوئی
 گو بگو سائے زمانے میں نہ ڈھونڈیں احباب
 کوئے دلبر سے ہیں ڈھونڈ کے لائے کوئی
 اپنے افکار کے کاندھوں پہ اڑا جاتا ہوں
 مرے عرفان کے رستے میں نہ آئے کوئی
 بات بے بات ہی رونے پہ اتر آتی ہیں
 دل کے کچھ راز گر آنکھوں سے چھپائے کوئی
 ضبطِ گریہ سے برا حال ہے دم گھٹتا ہے
 کاش اے کاش کہ جی بھر کے لائے کوئی
 تیری دھلیز سے مر کر ہی اُٹھے گا شاہد
 اپنی جنت بھی بھلا چھوڑ کے جائے کوئی





جب بھی دیکھیں کہیں میں آنکھیں
تیری آنکھوں میں ڈھل گئیں آنکھیں
یوں تو کتنی ہی دیکھ لیں آنکھیں
آب جیسی نہ مل سکیں آنکھیں
خوبروؤں کے طیش کا عالم
لال چہرہ پر آتشیں آنکھیں
چہن آتا نہ نیند آتی ہے
جب سے دیکھیں وہ شرمگیر آنکھیں
زندگی بھر نہ بھول پائیں گے
دل میں کھبتی وہ دلنشیں آنکھیں
بس وہ آنکھوں کا رہ گیا ہو کر
جس کی آنکھوں میں بس گئی آنکھیں

وصل کی رات کا فسانہ ہیں ؟
صبح دم کی وہ احمریں آنکھیں
تجھ سے مل کر تو چین کیا پائیں
اور تھوڑی سی غم ہوئیں آنکھیں

دام گیسو ہی کم نہ تھا شاہد
اور اس پر یہ سرمہ گیل آنکھیں





مغفل کو غالب رکھو جذبات پر
 چھوڑ دو پھر سب خدا کی ذات پر
 خوشی بہتر ہے ایسی زلیلت سے
 منحصر دنیا ہو جب حالات بہر
 جاں سے بڑھ کر تھا جو نکلا بی وفا
 اعتبار اب ہو تو کس کی ذات پر
 ایک اک لمحے سے حظ کر لوں کشید
 کیا بھر دسہ وصل کے لمحات پر
 مسکرا کر کیوں مے ہم غم سے
 اب کے روٹھے ہیں فقط اس باپ پر
 بے وفا شاہد تیری تقدیر تھی ؟
 چھوڑ دے پڑھنا کمیریا ہات پر



عجب عشق میں ماحب را ہو گیا
 مرا دل ہی مجھ سے جدا ہو گیا
 نئی بات کیا اس میں کیا ہو گیا
 اگر وہ جس میں بے وفا ہو گیا
 ترا غم چھٹا بھی تو قلب حری
 غم دھڑ سے آشنا ہو گیا
 نقاب اُس نے پہنا بڑا کیا کیا
 کسی کی نظر کا جھلکا ہو گیا
 سدا اُس نے کی آرزو قید کی
 جو اُن گیسوؤں سے رہا ہو گیا
 بچا اور ہوئی زندگی آپ پر
 حق زندگانی ادا ہو گیا
 وہ مغفل میں آکر لگا بیٹھنے
 ہمیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا

۳۶

نگاہوں میں یوں آ بسا وہ صنم
کہ دُنیا ئے دل کا خدا ہو گیا
کہاں اب وہ شاہد کہاں شاعری
وہ شاعر تو کب کا فنا ہو گیا

لوگ لوگوں سے گلے ملتے ہیں
شیخ حوروں سے گلے ملتے ہیں
درد و آلام سدا ہنس ہنس کر
عشق والوں سے گلے ملتے ہیں
عید کے دن کا کہیں کیا جب ہم
آپ جیسوں سے گلے ملتے ہیں
تجھ سے ملنا بھی عجب تھا جیسے
خواب خوابوں سے گلے ملتے ہیں
ہم سے پوچھا یہ فقط کیسے ہو
اور غیروں سے گلے ملتے ہیں
پھر جدائی کی گھڑی ہے شاہد
داغ زخموں سے گلے ملتے ہیں



تیری چاہت میں یہ مِرائی ہے
 سارے عالم سے آشنائی ہے
 جینے مرنے کا سلسلہ کیا ہے
 قید کیا چیت کیا رہائی ہے
 درد پہلو میں اور جنوں سر میں
 زندگی بھر کی یہ کمائی ہے
 ہم کو تدبیر کیا صلہ دے گی
 ہم نے تقدیر آزمائی ہے
 مجھ میں چھپ کر کبھی تم نمایاں ہو
 کتنی منظور خود مائی ہے
 ہم کو چھوڑا، رقیب کو تاراً
 خوب انداز بے وفائی ہے
 ساری محفل سے مل چکے ہنسکر
 ہم سے کس بات کی لڑائی ہے
 راہ الفت میں زندگی شاہد
 ہم نے ہر کام پر لٹائی ہے



ہمارے دل کے شیشے پر ہی آخر کیوں غبار آئے
 تمہاری بزم سے آئے ہیں جو، وہ سوگوار آئے
 عجب طرز تغافل ہے عجب اندازِ الفت ہے
 بلانے سے نہ آئے، بن بلانے بار بار آئے
 یہ اک زنجیر جو زیر کفن رکھی ہے کیسی ہے
 ہم ان کے عشق کی زنجیر تو مکرر اتار آئے
 محبت کی حسیں راہوں پہ چل نکلا ہوں جب اکبار
 بھلے اس راہ میں اب خار آئیں یا کہ وار آئے
 یہی ہم سوچ کر اظہارِ الفت کا نہیں کرتے
 انا کیوں آپ کی آمادگی کے زیر بار آئے
 نہ دیکھا کبھی شاہد سا عاشق اس زمانے نے
 زمانے میں اگرچہ یوں تو عاشق بے شمار آئے



رہ گئے بجھ کر تیری آمد پہ میخانے بھی
 میکشوں نے توڑ ڈالے اپنے پیمانے بھی
 جب سے پھیلا شہر میں چرچا تھا کہ حسن کا
 بس گئے شہروں میں اب جگہ کے دیوانے بھی
 تیرے آتے ہی بیکار شمع محفل کچھ گئی
 تیرے رخ پر مے محفل میں پروانے بھی
 تیرے ہوتے شہر ہوتا تھا ہمارے آس پاس
 توجہ بچھڑا بن گئے احباب بیگمناں بھی
 ہم سے دیوانوں پہ کیا پند و نصائح کا اثر
 آ رہے ہیں دوست کیوں بیکار کچھ بھی
 اپنی چاہت کے بھی قصے امر ہو جائیں گے
 زندگی بھر لگ دھرائیں گے افسانے بھی
 زندگی بھر منہ نہ جن احباب دیکھا مرا
 اب چلے روتے ہوئے محکومہ دفنائی بھی
 تیری وحشت ہی کے دم سے تو یہ سب باد تھے
 ڈھونڈتے پھرتے ہیں شاہد تجھ کو دیر آنے بھی



ہم نے گمراہی سے جدائی کی
 آپ نے بھی تو بے وفائی کی
 کون پہنچا تیری حقیقت تک
 سب نے تقدیر آزمائی کی
 ہم نے اس بُت کی آشنائی کی
 ہائے کتنوں سے آشنائی کی
 یا الہی تیری خدائی میں
 سب نے مقدور بھر خدائی کی
 داستانیں ہیں خور و غلاماں میں
 تیری آنکھوں کی دلربائی کی

موت بس موت دمِ الفت سے
 ایک تدبیر ہے رہائی کی



آسے دل آشفستہ چھلکتے ہیں کہیں اور
 اس شہرِ خرابی سے نکلتے ہیں کہیں اور
 دوری میں خود وصال کی کرتے ہیں آرزو
 پہلو میں ہوں تو دور سے رہتے ہیں کہیں اور
 گیسو بھی اُس کے شونخ میں اُس شونخ کی مانند
 بچتے ہیں میرے ہاتھ بگڑتے ہیں کہیں اور
 اُس بے وفا کی بات کیونکر ہو اعتبار
 جیتے ہیں میرے عشق میں مرتے ہیں کہیں اور
 مانا کہ بے وفا ہیں مگر سہمک نہیں
 روتے ہیں مجھ پہ سامنے ہنستے ہیں کہیں اور
 کس درجہ بے لگا م میں تیری نظر کے تیر
 لگتے ہیں میری آنکھ میں چھتے ہیں کہیں اور
 شاہد یہ حسین لوگ تو ہیں برق کی مانند
 گرتے ہیں کہیں اور چھلکتے ہیں کہیں اور

کیوں نظرِ ناشناس رہتا ہوں
 کیوں ترے اُس پاس رہتا ہوں
 کیا خبر اس کو سمجھ خبر بھی ہے؟
 جس کی خاطر ادا میں رہتا ہوں
 تم جو پہلو میں بیٹھ جاتے ہو
 اس لئے بدحواس رہتا ہوں
 کیوں نہ دعویٰ کروں خدائی کا
 میں بھی اک دل کے پاس رہتا ہوں
 فک کے جاؤ گے آنکھ سے کیسے
 اب تو میں گھر کے پاس رہتا ہوں
 اُس کو اکبار دیکھ کر شاہد
 بدلتوں محو یا اس رہتا ہوں!

انداز و نازِ حسن کی بابت نہ پوچھیے
 بیچارگی و عشق کی حالت نہ پوچھیے
 فریادِ دردِ قلب تو دستورِ عشق ہے
 دردِ نہانِ قلب کی لذت نہ پوچھیے
 کٹ کہ بدن کی شاخ سے گرنے لگیں
 مجھ بگ بے بہار کی قیمت نہ پوچھیے
 جینے کو جی رہے ہیں مگر وائے دردِ دل
 جینے پہ اپنے فرطِ ندامت نہ پوچھیے
 حرص و ہوس کے دور میں، مادے کے عہد میں
 مہر و وفا، خلوص کی قلت نہ پوچھیے

مانا کہ شہر بھر سے عداوت رہی مگر؟
 شاہد سے انکی خاص عداوت نہ پوچھیے

عجب اُن سے ملنے کی دیکش گھڑی تھی
 مگر ان کو جانے کی جلدی پڑی تھی
 وہ آئے تو تھے مجھ سے ملنے مگر کب؟
 مری موت جب میرے سر پر گھڑی تھی
 تجھے آشنا دیکھ کر سوچتا ہوں
 مری آنکھ تجھ سے کہاں کبھی تھی
 یہ مانا کہ یوں دل نہ دینا تھا اس کو
 وہ بد خو مگر خوبصورت بڑی تھی
 دمِ رخصت یار، بارش کہاں تھی
 لگی آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی تھی

وہ لڑکی تھی شاہد کہ بر تو دھنک کا
 کہ رنگوں بھری اک حسین پھلجھڑی تھی

○
حقیقت خواب ہوتی جا رہی ہے
دقانا یاب ہوتی جا رہی ہے

اُٹھا دیں رُخ سے اب آنچل خُدارا
بِنگہ بیتیاب ہوتی جا رہی ہے

کسی پر جان دینے کی روایت
بہت کمیاب ہوتی جا رہی ہے

گھٹا ہری ہے یوں آنکھوں سے دل کی
زمین سیراب ہوتی جا رہی ہے

کسی کی سُر مگیں آنکھوں میں شاہد
آنا غرقاب ہوتی جا رہی ہے
○

○
ازل سے ہے رواں دواں، کبھی یہاں کبھی وہاں
یہ زندگی کا کارواں، کبھی یہاں، کبھی وہاں
کبھی وہ ہم پہ مہرباں، کبھی وہ تم پہ مہرباں
وہ گیسوؤں کا سا تباں، کبھی یہاں کبھی وہاں
گئے نہ ہم کہاں کہاں، ملی نہیں کہیں اماں
لیے پھرے ہیں آشیاں، کبھی یہاں کبھی وہاں
عجب ہوئی مہری بستر، ملا نہ کوئی اپنا گھر
نہ یہ ملا، نہ وہ جہاں، کبھی یہاں کبھی وہاں
بہ مثل برگ بے شجر، اڑے پھرے ہم گھر پھر
نہ کچھ پتہ، نہ کچھ نشان، کبھی یہاں کبھی وہاں

مری حیاتِ محبت کا جام بھر ہی گیا
جفا کا زہر سا مجھ پہ کام کر ہی گیا

کسی مقام پہ رکتا مجھے قبول نہ تھا
تہاری بزم سے نکلا تو دامہ پر ہی گیا

کسی کی نظرِ کرم کام کر گئی آخر
مری حیات کو اک شخص شاد کر ہی گیا

تمام رات ہی آنکھوں میں ڈوب کر گزری
یہ سیل رات کے چھلے پہر اتر ہی گیا

وہ بد نصیب سا، گمنام سا شاعر شاہد
جو تجھ پہ جان چھڑکتا تھا آج مر ہی گیا

ہم سے پوچھے کوئی اس بُت سے ملاقات کی بات
رنگ اور نور میں ڈوبی ہوئی اس رات کی بات

آج بے ساختہ اک شخص کی یادوں کے طفیل
میری آنکھوں میں اتر آئی ہے برسات کی رات

مجھ کو غیروں کی روایت یہ پرکھتے کیوں ہو
مجھ سے چھڑو تو فقط اپنی روایات کی بات

وہ جو کچھ بھی ہے، نادان بھی ہے، بیگانہ بھی
خاک سمجھے گا بھلا گرمی جذبات کی بات

روز کہتا ہے کہ امشب وہ ملے گا ہم سے
مقبول جاتا ہے وہ ہر رات ملاقات کی بات

کریں ہم کو بدنام انگڑائیاں
 کسی کی لبِ بام انگڑائیاں
 بڑھاپے کا پیغام بھجکتی کمر
 جوانی کا پیغام انگڑائیاں
 رگیں دل کی سب کھینچ گئیں دفعتاً
 نہ لہیں یوں سرعام انگڑائیاں
 چمکنے دکنے لگا مسکدہ
 اٹھا لیکے جب جام انگڑائیاں
 کریں جان شاہد پہ کچھ رحم تو
 نہ لیں یوں بہ ہر کام انگڑائیاں

تھجکو تیری نگاہ نے قابل بنا دیا
 مھجکو مری نگاہ نے سبیل بنا دیا
 اوروں سے سیکھ سیکھ کے آدابِ عاشقی
 خود کو تمہاری ہزم کے قابل بنا دیا
 آلام و درد و سوز و غم و بیقراریاں
 یکجا ہوئیں تو لیکے سراویل بنا دیا
 پھرتے ہیں لے کے کا سہ اُمید در بہ در
 خواہش نے تیری دید کی سائل بنا دیا
 ہم نے نہ کر کے عرض تنہا ترے حضور
 خود کو ہی اپنے آپ کا قابل بنا دیا



کسی کو جو کسی کو جھانے لُٹ لیا
ہیں تو عشق میں رسمِ وفائے لُٹ لیا

نظرِ ملکہ بھی نظریں چرائے جاتے ہو
ہیں تو آپ کی اس اک ادا نے لُٹ لیا

نہ پوچھ عشق میں عالِ تباہی عِشاق
کسی کو زیست کسی کو قضا نے لُٹ لیا

تیرے شباب کو آخر نظر لگی کس کی؟
مجھے تو خیر خود اپنی امانے لُٹ لیا

گلہ ہو ہم کو بھلا رہنما کیا شاہد
ہیں تو راہ میں خود رہنما نے لُٹ لیا



درد و آلامِ محبت نے یہ احسان کیا
ہم کو آیام کی گردش سے تواضع کیا

لُٹ کر لے گیا سب زُہد کی پونجی زاہد
ہائے کس جو کو شب اپنے مہمان کیا

ہم نے خود اور نہ جینے کی قسم کھائی تھی
آپ نے اور بھی اس کام کو آسان کیا

اپنے پندارِ محبت کا محسوس رکھنے کو
دل کے ہر داغ کو اک پھول کا عنوان کیا

درد و آلام جہاں کم نہیں تھے مجھ پر
دردِ دل دیجے مجھے اور پریشان کیا

۵۴

غم کو احساس کی مٹی میں خُدا نے گوندھا
اور کچھ اشک ملائے تو پھر انسان کیا

ہم نے ساقی کا بھی احسان گوارا نہ کیا
خونِ دل پی کے سدا عیش کا ساما کیا

اپنے اشعار کی خوشبو میں بسا کر شاہد
ہم نے صحرائے محبت کو گلستان کیا



۵۵

میری نظروں کے جھکنے کو نہ امت مت سمجھ لینا
میرے خاموش رہنے کو خیالت مت سمجھ لینا

ملا ہوں اجنبی بن کر کہ تم رُسوا نہ ہو جاؤ
میری اس بے نیازی کو حقیقت مت سمجھ لینا

محبت کا بھرم رکھنے کو ملتا ہوں مروت سے
مروت کو کہیں میری محبت مت سمجھ لینا

پلٹ کر پھر جھپٹنا ہی تو دل والوں کی فطرت ہے
پلٹ جانے کو تم میری ہر محبت مت سمجھ لینا

محبت کی ہے کچھ تیری پرستش تو نہیں کی ہے
محبت کو میری اپنی عبادت مت سمجھ لینا

زمانے کے قدم سے گر ملانا ہے قدم شاہد
تو اس در ماندگی کو اپنی قسمت مت سمجھ لینا

سوچتے ہوں یہ تو اُس مغرور کا شیوہ نہ تھا
مجھ سے ملنے وہ مری دہلیز تک آیا نہ تھا

آپ سے مل کر مٹی ہے دائمی شہرت نصیب
شہر میں رسوا تو تھا پہلے مگر اتنا نہ تھا

اپنے ہر جانی کی رُوداد محبت کیا کہوں !
ساری دنیا کا تھا لیکن ایک وہ میرا نہ تھا

یوں تو دیکھے سینکڑوں ایسے کہ دیکھا کیجئے
سچ مگر یہ ہے کہ کوئی خوبو مجھ سا نہ تھا

مجھ سے مل کر اُس کی آنکھوں میں جھک سی گئی
لاکھ ہر جانی سہی لیکن مجھے ٹھو لانا نہ تھا

یوں ہی کٹ گئی وصل کی شب سہانی
کبھی میں نہ مانا کبھی تو نہ مانی

تہا ری محبت نے جینا کھلایا
برتنی ہمیں آگئی زندگانی !
مری موت کا سن کے کہنے لگے وہ
سنلے کہ عاشق بھی تھا آنجنابی

اگر دل کو تر پانا ہے تیری عادت
تر پنا ہے اس دل کی عادت پرانی

زبانے کا دل بھر چکا شخ صاحب
نہ چھڑ اپنی حوروں کی لمبی کہانی

سوچتے تو آپ سے رُوحوں کا بندھن تھا ہمارا
دیکھتے تو آپ سے میرا کوئی رشتہ نہ تھا

نظرتوں کے پیر کیوں دل میں تناؤ دین گئے
میں نے دل میں نظرتوں کا بیج تو بویا نہ تھا

ساری دنیا چھوڑ کر جس شخص کو اپنا کہا
دل لے نا دانی کہ وہ بیدار بھی میرا نہ تھا

تیری نظرتوں کا تغافل سہہ نہ پایا یہ ایک
وعدہ شاہد زندگی میں آج تک روایا نہ تھا

۵۹

یوں تو رونے پر سدا تھا درمیں
اپنی قسمت پر مگر صابر ہوں

میرے دشمن پر نوازش مت کر
قتل کرنا ہے تو میں حاضر ہوں

رخم جی بھر کے لگانا مجھ کو
درد سہنے میں بہت ماہر ہوں

مجھ کو صہبائے سمجھنا، رندو؟
میں تو ایک زہر بھرا ساغریں ہوں

زندگی بھر جے پو ما شاہد
اس کا فتویٰ ہے کہ میں کاغذ ہوں

نہ سمجھ سکا ہے جنہیں کوئی یہ وہ بود و بست کے راز ہیں
جو فرات تھے وہ نشیب ہیں خوشی تھے وہ فراز ہیں

نہ سنا مجھے مرے نغمہ گز نہیں مجھ پر اس کا کوئی اثر
مجھے سوز کی بھی طلب نہیں مرے سوز میں کئی سار ہیں

تجھے زلم حسن و جمال پر مجھے ناز عشق و وفا ہے
مری دشتوں کے یہ سلسلے ہتری رُلف سے بھی دراز ہیں

غم و مجرورہ در فراق ہی دل زار کے لئے کم نہ تھے
یہ تنگدوں کی رفاقتیں بھی عجیب و نواز ہیں

ہر عشق تشنہ کمال ہے ترا حسن تشنہ جمال ابھی
مرے عشق میں کئی بھید ہیں ترے مَن میں کئی راز ہیں



جب تلک چلتے ہیں تیری رنجشوں کے سلسلے
تب تلک جائینگے اپنی کاوشوں کے سلسلے

جب تلک تو درمیاں ہے یونہی چلتے جائینگے
میری چاہت اور عُدو کی سازشوں کے سلسلے

دیکھنا اونچے مکاں والوں کو بھی بے بام و در
اب کے چل نکلے ہیں ایسی بارشوں کے سلسلے

توڑ ڈالیں گے کسی دن رسم خاموشی وہ خود
دیکھتے چلتے ہیں کب تک بندشوں کے سلسلے

زندگی کی دُڑ میں رکتے ہیں شاہد دیکھتے
جانے کس منزل پہ میری خواہشوں کے سلسلے



دشمنوں کو بھی نہ دے قسمت خدا میری طرح
 اپنے محور سے نہ ہو کوئی جدا میری طرح
 شہر بھر کے بیوفا لوگوں سے ملنا چھوڑ دے
 کون چاہے سکا تجھے لے بے وفا میری طرح
 اس زمیں اور آسمان نے آج تک دکھانا تھا
 سنگدل تیری طرح، سنگ آزمایا میری طرح
 یوں تو وامق، قیس اور فرہاد بھی بدنام تھے
 عشق میں لیکن کوئی رُسوا نہ تھا میری طرح
 میری ہستی سے مماثل ہے فقط مسروں کا پھول
 ناتواں سا، مضحل سا، زرد سا میری طرح
 اسکی صورت دیکھ کر محسوس ہوتا ہے لطیف
 ہجر کا موسم اُسے راس آگیا میری طرح

سر بھی اہل محبت نے جھکایا ہی نہیں
 آپ مانے جو نہیں ہم نے منایا ہی نہیں
 دل میں رہتے ہو فقط دل سے لگایا ہی نہیں
 گھر کے مالک ہو فقط گھر میں بسایا ہی نہیں
 خود سے ہم حال دل بے قرار کیا کہتے
 تم نے پوچھا ہی نہیں ہم نے بتایا ہی نہیں
 کچھ تو اپنی بھی وہ پہلی سی نگاہیں نہ ہیں
 اور کچھ آپ نے خود کو بھی بجا یا ہی نہیں
 خاک محفل میں دم غیر سے رونق آتی
 جس کے اعزاز میں محفل تھی وہ آیا ہی نہیں
 یہ تو طے ہے کہ کبھی یاد نہیں آو گے
 یاد آئیگا وہ کیا جسکو بھلایا ہی نہیں
 ہونہ ہوا اپنی محبت میں تھی شاید
 ہم یہ لوگوں نے کبھی سنگ اٹھایا ہی نہیں
 جانے کس بات پہ شاید سرشراں چمکا
 ایک آنسو جو کبھی آنکھ میں آیا ہی نہیں



تم سے بے حس کو رام کر بیٹھے
 عشق والوں میں نام کر بیٹھے
 ہم نے ہنس ہنس کے جو چھپایا تھا
 آپ رورو کے عام کر بیٹھے
 ہائے کس بے وفا کے وعدوں پر
 زندگانی تمام کر بیٹھے
 لوگ مر کر ہی نام کرتے ہیں
 ہم تو جی کر بھی نام کر بیٹھے

دن ڈھلا دھوپ ڈھل چکی شاد
 خوب آئے ہو شام کو بیٹھے



خود کو تیرا حق سمجھ لوں گا ادا ہو جاؤں گا
 تیری چاہت میں کسی دن یوں فنا ہو جاؤں گا
 تیری دنیا سے نکل کر کچھ نہیں رہ پاؤں گا
 دشمنوں کے منہ سے نکلی کہ دُعا ہو جاؤں گا
 یونہی گزرتی مسکرا کر چھپڑنے آتے رہے
 دیکھ لینا ایک دن تم پر فدا ہو جاؤں گا
 وحشیہ دل کی اسی صورت اگر برحق ہیں
 دشت بن کر دل جلیوں کا آسرا ہو جاؤں گا
 وائے گر تجھ سے میرا اللہ ہو سکتا نہیں
 خود ہی مجھم خود ہی میں اپنی نذر ہو جاؤں گا
 تیری رُخسوں سے رہائی ہو رہے گی کیون
 زندگی کی قید سے جس دن رہا ہو جاؤں گا
 تو نے گر سوچی نہ تھی مجھ سے الگ ہو چکی تھی
 میں نے کب چاہا تھا یوں تجھ سے جدا ہو جاؤں گا

اپنی تنہائی کی شدت کیا کہوں اے بیوٹا
یہ نہیں گزرتھا کہ اک دن خدا ہو جاؤں گا

غیر سے کہتا ہے مجھ کو شاموں کے یہ غرض
مفت میں شاہد سے مکرے مزا ہو جاؤں گا



لائے نہ جوئے خیر تو کجی ہی سہی
اس ہمارا دشت کجی ہی سہی

دلہیز یا مچھوڑ کے جانا نہیں قبول
بدنام ہوئے ہیں تو بنم ہی سہی

ساغر سے گر پلاؤ تو پی جاؤں غم کے غم
آنکھوں سے دے سکو تو چہرہ کا جہر ہی سہی

تیری جفا کا ذکر اگر عام ہو چکا
میری وفا کا حال بھی اب عام ہی سہی

تم کو کسی کا نام ملے، زبے نصیب
میں تو وفا کی لاش ہوں گمنام ہی سہی

نازاں ہوں اپنی موت پہ شاہد وہ میراں
میت کے ساتھ ساتھ تھا دو گام ہی سہی

۶۸

دستی ہیں بے حواس ہیں انکی گلی کے لوگ
بے رہنم و بے دواس ہیں انکی گلی کے لوگ

سجدے میں کچھ رکوع میں تو کچھ ہیں قیام میں
کتنے خدا شناس ہیں انکی گلی کے لوگ

مخزوں میں سو گوار میں کچھ اشکبار ہیں
پوچھو نہ کتنے خاص ہیں انکی گلی کے لوگ

رُسوائیوں کے خوف سے کچھ کچھ ملول ہیں
کچھ فطرتاً ادا اس ہیں انکی گلی کے لوگ

اُس بُت کے بام و در سے شناسا تو ہیں مگر
خود سے بھی ناشناس ہیں انکی گلی کے لوگ

شاہد کو روک پائیں گے ایسا بھی اب نہیں
مانا کہ خاص خاص ہیں انکی گلی کے لوگ

۶۹

کہاں لیجائیے اسکو وہ کس صورت بدل جائے
تمہاری زلف کے سائے میں آکر بھی جو بدل جائے

وہ اتنا شوخ ہے، معصوم ہے محشر بدایاں ہے
خزاں کی رت بھی جس کو دیکھ کر یکدم بدل جائے

اجل سر پہ کھڑی ہے، اور تو آتا نہیں لگتا
ہو کیا امید اب ایسی کہ کچھ حالت تبدیل جائے

بڑھاپے میں بھی جا کر اُسکی کب فطرت بدلتی ہے
حسینوں کے تعاقب میں جوانی جسکی ڈھل جائے

اسی امید پہ ہر روز اس محفل میں جاتا ہوں
کسی دن اس ستمگر شخص کی نیت بدل جائے

صنم کو دیکھ کر شاہد غزل کہدی تو وہ بولے
کھا کر مال لاؤ، مہار میں تیری غزل جائے

بگاہِ مست سے پینا سراب ہے ساقی
پلٹے جام سے مقصدِ شراب ہے ساقی

بجا ہے واعظِ ناصح تمہاری بات مگر
تمہاری بات کا سادہ جواب ہے ساقی

کسی کے سجدہِ مستی سے برگھانی کیوں
خدا نقاب میں اور بے نقاب ہے ساقی

خمار بچے جو پیالے سے آگیا لب لبک
یہ کیا حسین و عجب انقلاب ہے ساقی

شہد کی دودھ کی نہریں حسین جو ریں بھی
یہ سب بجا ہیں مگر لا جواب ہے ساقی

ذرا خیال سے اس کا نہ جام بھر دینا
یہی تو وہ اعظمِ خانہِ شراب ہے ساقی

حسین و مست و گل اندام ہے پری پری
کسی عظیم مصور کا خواب ہے ساقی

شراب پی کے یہ مستی میں بول اٹھا شاہد
کتاپِ زلیخا کا گلِ جگ باب ہے ساقی

○
جب تلک تن میں ایک سانس رہی
تیری آمادگی کی آس رہی

درد و آلام بانٹنے والے
ہم پہ تیری نگاہِ خاص رہی

زندگی موت کی امانت تھی
ہاں یہ گروی تمہارے پاس ہی

آپ کے دُور دُور رہنے سے
زندگانی بہت اُداس رہی

ہم وفادار تھے شاہدِ لکین
آپ کی آنکھ ناشناس رہی



○
مئے کا جتنا سُورہ ہوتا ہے
سب بقدرِ شعور ہوتا ہے

خُم لُٹھانے میں کچھ ہمارا بھی
کچھ تمہارا قصور ہوتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ دیر سے کعبہ
گام دو گام دور ہوتا ہے

جو نکلتا ہے اُن کی محفل سے
وہ ہی مستی میں چور ہوتا ہے

اُن کے لب ہائے احمر میں چھو کر
بن پئے ہی سُورہ ہوتا ہے



کسی سے پیار ہوتا جا رہا ہے
یہ دل بیمار ہوتا جا رہا ہے

نویدر انقلاب وقت لانے
قلم تلوار ہوتا جا رہا ہے

رہا ہے جو کبھی اس دل کا دشمن
وہ اب غمخوار ہوتا جا رہا ہے

اتر کر شیخ بھر بے خودی میں
عجب سرشار ہوتا جا رہا ہے

ادب کے ناتواں شانوں پہ شاہد
سرخنور بار ہوتا جا رہا ہے

اُن کو خواہش ہے دل لگانے کی
ہم کو عادت ہے غم اٹھانے کی

اور موضوع گفتگو کیا ہو
بات کر لیں شراب خانے کی

مجھے سا بے ننگ اور جنت میں
بات کرتے ہو مسکورانے کی

سب کو جنت نشین کر دیتے
کیا ضرورت تھی آزمانے کی

دے کر اک حجام دست نازک سے
گر دشمنیں روک لوڑمانے کی

۶۹
 مجنوں سے خود کو عشق میں کمتر نہ دیکھتے
 کیونکہ ہم اپنے نام کا پتھر نہ دیکھتے

ممشے کے دن کا خاک بھی ہوتا نہ اعتقاد
 چھپ کر جو تیری نیند کا منظر نہ دیکھتے

ہم بے خبر تھے، مفت میں پتھر کے ہو گئے
 اے کاش دل کے شہر میں مڑ کر نہ دیکھتے

مر کر بھی اپنے قتل کا آمانہ کچھ لقیں
 یاروں کے ہم جو ہاتھ میں خنجر نہ دیکھتے

نیری عطا کی زیست میں جیسا محال تھا
 ہم اہل ظرف عشق میں مکر نہ دیکھتے

شاہد جو اپنی ذات پہ ہوتا کچھ اعتماد
 ہر قدم پہ اک نیار بہر نہ دیکھتے

۷۰
 چھوڑ کر ہم کو جو غیروں سے ملو گے پھر بھی
 یہ تو طے ہے کہ تمہی دل میں رہو گے پھر بھی

بھول کر عہد وفا، لاکھ نگاہیں بدلو!
 دل کے گلدان میں اک تم ہی جو گے پھر بھی

اشک شکر مری آنکھوں سے ٹپکتے کیوں ہو
 چشم خوں بار میں اک تم ہی بسو گے پھر بھی

کیا ہو اہم کو اگر دل سے نکالا تم نے
 دل پہ اک چاپ سی قدموں کی سونو گے پھر بھی

لاکھ غیروں سے مراسم میں اضافہ کر لو
 مجھ کو معلوم ہے میرے ہی رہو گے پھر بھی

کب تلک درد بساؤ گے جگر میں شاہد
 کب تلک حلقہ یاراں میں تنسو گے پھر بھی

دار و رسن پہ رونقِ مقتل کسے نصیب
یا محضوں سے اُنکے زہرِ کلاہل کسے نصیب

دنیا بے بہت و بُود میں کل کی کسے خبر
کرنا ہے جو وہ آج کرو کل کسے نصیب

پھرتے ہیں شہرِ شہر ہم عشاقِ دور نو
اس دورِ شہر ساز میں جنگل کسے نصیب

اک پل بھی وصل یا غنیمت ہے زیست میں
پہلو میں اُس حسین کے اک پل کسے نصیب

پینا تو بے قرار ہے لیکن بظُرِ نو
پیتے ہیں دل کا خون کہ بول کسے نصیب

شاہد اُسی کے دم سے اُجالا ہے دہریس
اس تیرگی میں فکر کی مشعل کسے نصیب

کیوں نہ اے دوست تجھے دوست سے جاناں کرلوں
اس قدر ٹوٹ کے چاہوں کہ رگِ جاں کرلوں

وہ تو آئیں گے نہیں کیوں نہ پھرتے قلبِ حزیں
درد کو، سحر کی شب آپ کا مہماں کر لوں؟

وہ تو گھر چھوڑ کے جانے پہ مُصر لگتا ہے
اپنے اشکوں سے ہی اب گھر کو فرزاں کر لوں

تم سے ملنا تو اب اس زیست میں ممکن نہ رہا
تیری یادوں سے ہی اب زیست کا سماں کر لوں

بات بے بات جو اک پل میں رُلا دیتا ہے
ایسے بیدار سے کس بات کا پیاں کر لوں

شوق کہتا ہے کہ واغظ کی اطاعت چھوڑوں
سرکشی چھوڑ کے اب بیعتِ خوابیں کر لوں

ہم کو کافی یہ جان دینے کو تیری آنکھوں کا اشارہ ہے
دل جگر جان زندگی کیا میں جو بھی میرا ہے سب تہا ہے

تم جو نس نس کے پیار کی بازی جیت جانے کی تیا کرتے ہو
میری تربت پر کھینا اگر کون جتیا ہے کون ہار رہا ہے

دست قدرت کا ایک یہ احساں میری درماندگی یہ کیا ہے
آپ جیسوں کو چاند کی صورت میرے آنکھ میں لا آتا رہا ہے

اُن کا حنا بھی اک قیامت تھا لوٹ آنا بھی اک قیامت ہے
ہم کو محشر سے مت ڈرا و اعظا ہم نے محشر کا دل گدلا ہے

اکھ ہنر موزمان سے چھپ نہ پائیگی دل کی بیانی
رات جل کے ہو دینک شاہد مگر آنکھوں سے آنکھار ہے

شراب و شیر کی حوروں کی پیاس رہنے ہے
بگاہ شعلی میں جنت کی آس رہنے ہے

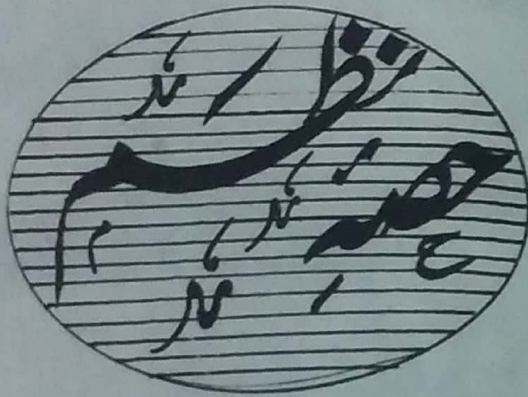
فنینم وقت سے کہہ دو کہ چھین لے سب کچھ
کسی کی یاد مگر دل کے پاس رہنے ہے

شب فراق اندھیری تو ہے مگر چھپ رہی
کوئی چراغ جل اٹھنے کی آس رہنے ہے

نہ آ قریب مگر خود سے دُور بھی مت کر
نظر سے دُور مگر دل کے پاس رہنے ہے

ستمگروں پہ وفاؤں کا کیا اثر شاہد
وہ دلربا ہے وفا نا شناس رہنے ہے

بجلا دیں اہل جفا گر لاکھ سراشعار کی ترکیبیں
رہیگی اہل وفا کو یاد سدا شاہد کی غزل خوانی



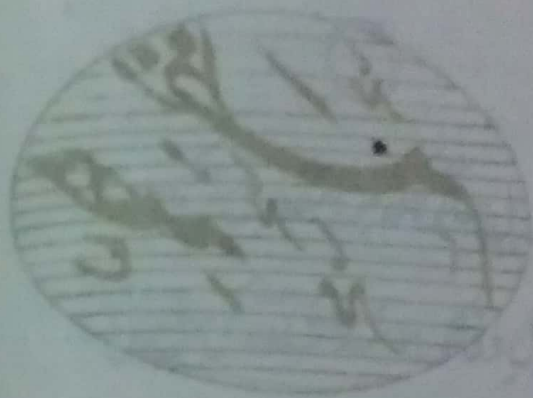
قاتل

ہاں میں اپنی انا کا محب مہوں
ہاں میں اپنی خودی کا قاتل ہوں

وہ جو جذبوں سے لڑ نہیں سکتے
ہاں میں اُن کی معفوں میں شامل ہوں

ایک انساں کے در پہ سر رکھ کر
میں نے اپنا غرور کیوں کھو دیا؟

وہ جو میری انا کا ضامن تھا
میں نے اُس دل کا مان کیوں توڑا؟



اب جو چاہے تو وقت کا نصف
مجھ کو میری سزا سنا ڈالے

اب جو چاہے تو وقت کی تلوار
تن سے میرے یہ سہرا ڈالے



میں جو غیروں پہ خوب ہنستا تھا
آج اپنی ہنسی پہ روتا ہوں

میں جو پھولوں کے بیج بوتا تھا
آج کانٹوں کے بیج بوتا ہوں

پر میں کرتا تو اور کیا کرتا
دل پہ فرقت کا زخم تازہ کرتا

بے انائی جو رسمِ الفت تھی
بیخودی عشق کا تقاضا تھا

آج انصاف کے کٹہرے میں
پا بہ زنجیر ہوں، تکیں بردوش

منظر ہوں کہ کچھ ملے تعذیر
ہمہ تن گوش ہوں کھڑا خاموش

ذرا پھر سے کہنا

کنوائے بدن کی یہ مانوس خوشبو
نگاہوں کا طلسم، اشاروں کا جادو
ستارہ جبین پر یہ محراب آبرو ؟
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ مستی بھری شوخ الہڑجوانی
یہ مخمور لمحوں کی گھڑیاں سہانی
یہ بے چین پلکوں پہ لرزاں کہانی
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ شوخی، شرارت، یہ قاتل ادبیں
یہ عنبریں گیسوؤں کی گھٹائیں
یہ شیریں دہن، جس کی لے گل بلائیں
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ کلگوں لبوں سے ٹپکتا ہوا اس
یہ گردن کہ جسکی نظر آئے نس نس
یہ عارض کی سرخی، یہ آنکھوں کے برس
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ پلکوں کی جھالریں آنکھوں کی جھل
یہ کلفام چہرہ، یہ رخسار کا تل
یہ ہاتھوں کے گجرے، یہ پیروں کی پائل
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

مہرباں نگاہوں کی وارفتگی بھی
مہکتی ہوئی زلف کی چاندنی بھی
یہ سیمیں بدن کی سبک شاعری بھی
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

ڈھلکتا ہوا سر سے بے چین آنچل
یہ نازک کمر اس پر زلفوں کا بادل

نیا سال

تو سلامت رہے اے وہم بھلائی دل
تو رہے خندہ بہ لب خندہ بہ چشم قافل
اے ستم کش نیا سال مبارک تجھ کو

تیری آنکھوں میں رہے شمع مست تاب
تیرے ہونٹوں پہ کھلیں چول خوش کے مہاں
اے ستم کش نیا سال مبارک تجھ کو

تیری کچھ اور تمنائیں برائیں سال
حسن میں اور بھی کچھ گنت آئیں سال
اے ستم کش نیا سال مبارک تجھ کو

ہم کس خاک بسہرے کے گزریں سال
زخمِ فرقت کے آباؤں سے سنو آج سال
اے ستم کش نیا سال مبارک تجھ کو

چھنکتی ہوئی چوڑیوں کی جھنکات ہم
یہ سانسوں کی گرمی سے اُٹتی بہکات
یہ ہاتھوں کی ہندی سے اُٹتی نکت ہم
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

قیامت جگاتا ہوا بیچ و خم بھی
یہ بھلے گراتا ہوا زیر و بم بھی
چھلکتی جوالی کا یہ جامِ جسم بھی
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں



پیار کا شہر

جب کا سدا ہار زینت سے میں تنگ آتا ہوں کبھی
تو سب کچھ چھوڑ کر، کبھی سے منہ موڑ کر
پیار کے شہر کا تصور ذہن سے جوڑ کر
دل بیقرار کو سکون دیتا ہوں
اے شہر حبیب، اے یازدان محبت
سدا قائم رہو

بلند و بالا کھساروں کے مسکن
گل نہا حسین چہروں کے آئین
تو سدا آباد ہے

اے حسیں لوگوں کے حسیں شہر
تجھے مری نظر لگ جائے

تمہارے باہمی سدا جئیں
سدا ہنسین گائیں، خوش رہیں
کیونکہ وہ بھی تو انہی میں سے ہے
جو کبھی مری حسان تھا
جو اب بھی مری مہان ہے

تمہارے آئین میں کبھی ہم بھی
ہنسے تھے کھیلے تھے

مگر وہ ہنسی تو کسی کے دم سے تھی
کسی کو الفت یہاں پہ ہم سے تھی

محبتوں کے رفیق سنا تھی
مری وفاؤں کے تم امیں ہو

تمہارے باغوں میں گل کھلے تھے
عہد ہوئے تھے، دودل ملے تھے

تمہی بتاؤ، وہ کیا ہوئے سب

وفا کی بستی، ہوا سے کہو، اگر ملے وہ
تو ان سے پوچھے کہ کیوں خفا ہے
خفا نہیں مگر تو پھر یہ کیا ہے

ضرور ملنا، ضرور کہتا
ضرور ملنا، ضرور کہتا



چمن میں آگ
(فلک کی جنگ کے پس منظر میں)

سنا ہے آج کہ گلچیں نے باغیاں کیلئے
چمن کو آگ لگا دی ہے ایک جاں کیلئے

سنا ہے آج کہ کعبے کی حفاظت کیلئے
یہودیوں کا بلاوا ہے اِمامت کیلئے

کہا گیا ہے سینی کو ابرہہ والا!
کہ اب یزید کا لشکر ہے بس خدا والا

یہ ارض پاک جو شعلوں میں بھسم ہوتی ہے
یہ کس کے خون سے ہولی کی رسم ہوتی ہے

کہیں یہ خون، مسلمان کا خون ہی تو نہیں؟
یہ اپنی غیرت و ایمان کا خون ہی تو نہیں؟

یہ التماس ہے تجھ سے اے پاس بانِ حرم
نہ کر وہ فعل کہ میٹ جائے کل نشانِ حرم



بُزْدِل

آنکھوں میں محبت کا سمندر سا سینے
چاندن سے بدن پر وہ سیاہ شال پیٹے

آنکھوں میں محبت کے لئے خواب سہانے
جب آتی تھی تم پیار کی تہذیبِ بدلانے

بے یاد مجھے میں نے بڑا ظلم کیا تھا
جب تلخ سے لہجے میں یہاں تم سے کہتا تھا

”یہ سوزِ محبت، یہ غمِ عشق کی باتیں
قربت کا تصور ہو کہ ہوں بھیر کی رتیں

مرتے ہوئے جینا، کبھی جیتے ہوئے مرنے
یا فرطِ جنوں میں کبھی ہاتھوں سے سلنا

دل بس میں نہ ہونا، نہ ہی الفاظ پہ قابو
یہ کچھ بھی نہیں ہے فقط الفاظ کا جادو
بدنام جو ہو جاؤ گی تم مسیری وجہ سے
گر جاؤ گی پھر آپ ہی تم اپنی لگہ سے
میں سوچ کا مزدور ہوں کیا میرا بھروسہ
گناہ سا شاعر ہوں یہی شعر امانت
آؤ گی مرے پاس تو قاقول سے مرد کی
اب سوچ لا، کیا پھر بھی مجھے پیار کرو گی
جاؤ کہ ابھی وقت کی آواز ہے خاموش
جاؤ کہ زمانہ ہے ابھی نیند میں مدہوش
آنکھوں میں لرزتے ہوئے اشکوں کو چھپا
دانتوں کے تلے اپنے دوپٹے کو ڈباؤ
کچھ بھی نہ کہا تم نے مگر لوٹ گئی تم
اور آج تک بھر نہ کبھی مجھ سے ملی تم
آنکھوں سے تری ایک بھی آنسو نہ بہا تھا
جاتے تھے ایک لفظ بگڑنے کہا تھا
اُس لفظ کے ہاتھوں ہوں میں اس وقت سے کھال
ہلتے ہوئے ہوئے سے کہا تم نے کہ "بزدل"

دل کی رکھا

مجھے یاد ہے آج بھی وہ گھڑی
جب باہر سرد ہوا میں تھیں
اور ہوٹل کے اُس کمرے میں
اک گرم انگلیٹھی بدشن تھی
اُس گرم انگلیٹھی کے نزدیک
سب ساتھی خوش خوش بیٹھے تھے
کچھ بیٹھے تھے کچھ لیٹے تھے
شب کے بارہ بجنے کو تھے
جانے تم نے کیا سوچ کر
میری آغوش میں ہاتھ رکھے

۱۰۰

اور کھول کے اپنی ہتھیلیاں
مجھ سے یہ اک فرمائش کی

ذرا میرے ہاتھ کی ریکھائیں
دیکھو تو ذرا کہتی ہیں کیا

جب میں نے ہاتھ بڑھا کے پھر
تری نرم ہتھیلیاں ہاتھ میں لیں

تب مجھ پر یہ انکشاف ہوا
تری پھول سی نرم ہتھیلی میں

دھن دولت، فہرت سب تو تھا
لیکن دل کی ریکھا ہی نہ تھی

تب میں نے تمکو جان لیا
اور اپنے دل میں مٹھان لیا

۱۰۱

اس دل کی چاہت دل میں لئے
میں تجھ سے جدا ہو جاؤں گا

پھر دل میں تیرا بدلے
میں سچ مچ تم سے دُور ہوا

اور آج اچانک مدت بعد
اک پامسٹ نے بتلایا ہے

جب ہاتھ میں دل کی لکیر نہ ہو
بیشک وہ سنگ دل ہوتا ہے
لیکن گر ہاتھ میں گرمی ہو
وہ عشق میں پاگل ہوتا ہے

اور آج اچانک مدت بعد
اک بات مجھے یاد آئی ہے
تیرے ہاتھ میں دل کی لکیر نہ تھی
تیرے ہاتھ میں لیکن گرمی تھی



پہلی ملاقات

توٹی تھی اسی ہی برسات کی اک شلم کو
 جوتی تھی بادِ مرمرِ حیرتِ مگلفِ م کو
 میں نے جب دیکھا تھا مسکو کنسی شرمائی تھی تو
 جھانکئی تھی دل کو تیری ہر ادا، ہر تیری غر

کھینچ کر آنجل جو میں نے دیکھا تھا ہاتھ اُٹھانے
 ہاتھ کے پیالوں میں تم نے شرم سے ڈھانپا تھا منہ

یوں تو اب بھی چل رہے ہیں بادلوں کے کڑواں
 یاد آتا ہے نگر وہ تیری زلفوں کا سماں

ہر ایک اُس دن ہوئی تھیں تم سے باتیں پیار کی
 عشق کی، مشق کی، بیل کی، گول کی، غم کی

یاد ہے تم نے کہا تھا عشق اک دیوانہ پن
 پیار کے پیاں ہیں دھوکہ دھوٹے دل کی گن

سُن کے باتیں آپکی، میں نے کہا ہے دلربا
 آپ نے دیکھی کہاں ہے سچے عاشق کی دنیا

کس کی خاطر قیاس نے ذہن کو کڑوا لیا تھا پاک
 کس نے بکس تپنگا جہل کے بن جاتا ہے خاک

کس کی خاطر کو تھکن کُسد میں پایا گیا
 کھینچ کر مشورہ کو کیوں وار پر لایا گیا

یوں تمہارے سامنے دل کا ورق پھیلا دیا
 تم نے پڑھ کر نام اپنا شوق سے کھول دیا

کیا ہیں لمحہ تھا میری زندگی کو ہلائی
 تم نے جب سوغات میں جھٹکا تھا مجھ کو پائی

وقت رخصت جب تری آنکھوں میں آنسو آگئے
پھول تیرے شہر کے سب اس گھڑی مڑجھا گئے

آج ہم بیٹھے ہیں تم سے ستا دریاؤں کے پار
ذہن پر چھایا ہوا ہے تیری یادوں کا غبار

تو نے میری جان آنکھوں کو دکھا کر روشنی
دیدے انبار غم کے، مسکراہٹ چھین لی

اس طرح میں لٹ گیا ہوں تیری فرقت میں صیب
ایک آنسو تک نہیں ہے آنکھ میں وائے نصیب

آج بھر برسات کی اس شام کی سی شام ہے
تو نہیں پھر بھی مگر ہونٹوں پہ تیرا نام ہے

یہ تمنا لیکے دل میں زندہ ہوں شاید ابھی
بے وفا دنیا کو شاید پھر ضرورت ہو مہری

○

اللہ اکبر

(جنگِ افغانستان کے پس منظر میں)

گو لیوں کی گھن گرج سے زمیں کانپ رہی ہے
آگ کے شعلے آسمان کی طرف لپک رہے ہیں

پہندے خوفزدہ ہو کر اڑ چکے ہیں
جنگ کا عفریت چیخ رہا ہے

مگر کچھ دیر بعد
گھن گرج رُک جائیگی

ہر طرف خاموشی چھا جائے گی
اور میدان میں رہ جائینگے

چند خالی کارتوس اور کچھ آن کھٹے بم

اور کچھ کٹی پھٹی، معصوم لاشیں
خالی کارتوسوں کی طرح

جن کی بے نور آنکھیں آسمان کی طرف دیکھ رہی ہوں
جیسے فریاد کر رہی ہوں
اپنے خالق سے، اپنے مالک سے

کہ ہم تو آپس میں نہیں رہے تھے اور کھیل رہے تھے
اپنی اپنی پسند کے کھیل

اور جنگ تو شہر سے باہر ہو رہی تھی
ہمارے بڑوں کے درمیان

اور ہم تو اقتدار کا مطلب بھی نہیں جانتے

تو پھر ہمارا کیا قصور تھا
ہمیں کس گناہ کی سزا ملی ہے

مگر شہر سے باہر، پیٹروں میں
گوشت کے ان معصوم لوگوں کے دور

چند غازی، چند مجاہد
ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہونگے
کامیاب حملے کی

اور اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے ہونگے
اللہ اکبر، اللہ اکبر
اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے

اور،
اللہ یقیناً بڑا ہے

○

برسات

بادل گرچہ بجلی چمکی، چھم چھم بارش برس رہی ہے
آنکھوں میں دھندلت چکی چھم چھم بارش برس رہی ہے

آنکھیں بوجھل دل سے بھاری چھم چھم بارش برس رہی ہے
غیظ کی ندیاں جاری چھم چھم بارش برس رہی ہے

یادوں کی اک لہر اٹھی ہے چھم چھم بارش برس رہی ہے
وہ میری بانہوں میں کھڑکی ہے چھم چھم بارش برس رہی ہے

نظروں میں موجیں ہیں پھر پھر چھم چھم بارش برس رہی ہے
سانس گڑکی ہے نہنیں پھر پھر چھم چھم بارش برس رہی ہے

ماہب کیسی بستی ہے چھم چھم بارش برس رہی ہے
مرقبہ اندھا دھنکی ہے چھم چھم بارش برس رہی ہے

آخری سلام

(باچا خان کی رحلت پر ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء)

رو رہا ہے چاند بھی تارے بھی گلی بھی بارش بھی
آج تیری موت پر روتے ہیں دل کے داغ بھی
قوم کے ہر فرد نے بھی جا ہے اشکوں کا انعام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

سو برس پہلے زمین پر بس نے رکھا فضا قدم
ان کے وہ چاند نور ستارے ہی ملک عدم
صبح جسکی یاد میں گریہ کنوں، روتی ہے شام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

تہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک تم سے آسان تھی
قوم کی تم شان، دل کا مان، دلبر جان تھے

تم نے اپنے ہاتھ میں پکڑا تھا آزادی کا جام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

تم نے آزادی کا پرچم جسے ہاتھوں میں لیا
زندگی زنداں میں کٹی، موت کا چھپا کیا
اپنی ہمت مٹا ڈالا ہر اک دشمن کا نام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

ہر دم کو اپنے اپنے ہی سینے پر سہا
آپ کا رنگیں لہو دھرتی کے سینے پر بہا
آپ افغانوں کے سر کے تاج ہم تیرے غلام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

آپ نے جھیل مرے دشمن کے ہر اک وار کو
اپنے سرے توڑ ڈالا دشمنوں کے دار کو
ہم کو اپنی جان سے پیارا نہ ہو کیوں تیرا نام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

آپ نے اس قوم میں ذوق یقیں پیدا کیا
انجھے دل میں درد کے احساس کو زندہ کیا
یاد رکھیں گے ترے افکار کو ہم صبح و شام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

آپ نے پختون کو مٹی کی جو پہچان دی
عمر نبھر جس کے لئے زندہ رہے اور جان دی
ایک دن شاہد یہاں راج کرینگے وہ نظام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام



آؤ اکبار بھڑ بھڑ
اک نے امتحان کی خاطر
ایک مبہم گمان کی خاطر
دستوں میں اڑان کی خاطر
اک نے گلستان کی خاطر
آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں
دل کے زخموں کو فروزاں کرنے
اپنی پلکوں پہ چراغاں کرنے

خود کو ماضی کی داستاں کرنے
انہی چاہت کو حبا وداں کرنے
آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

ایک چشمِ رواں کو پی پی کر
شکر تے لبوں کو سی سی کر
شہرِ درد و الم میں جی جی کر
جامِ فرقت نواز پی پی کر
آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں
اپنے اپنوں کے آزمانے کو
خود کو خود کا لیتیں دلنے کو
دوستوں کا جگر جلانے کو
دشمنوں کے بھی مُت کرانے کو

آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

اپنی بے نام دوستی لے کر
اپنی گمنام زندگی لے کر

اپنا دکھ، درد بے کسی لے کر
دل کا سب چین، ہر خوشی لے کر

آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو بہلائیں

دشتِ الفت میں جستجو کرنے
خود کو خود ہی سے رو برو کرنے

عشق میں خود کو سرخرو کرنے
جاں تلک نذرِ آرزو کرنے

آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو بہلائیں

عید کے دن

عید کے دن بھی وہی میں مری تنہائی ہے
عید کے دن بھی محبت کی سزا پائی ہے

عید کے دن بھی اکیلا ہوں میں اپنے گھر پر
عید کے دن بھی لگی آنکھ ہے میری در پر

عید کے دن بھی نہیں ضبطِ محبت اشکوں پر
عید کے دن بھی چراغِ غم ہے مری پلکوں پر

عید کے دن بھی جو آنکھیں مری بھرائیں ہیں
عید کے دن بھی نظر میں تری پر چھائیں ہیں

عید کے دن بھی وہی دہرِ فراموشی ہے
عید کے دن بھی وہی میں مری خاموشی ہے

فردوسِ وطن

اس دس کے باغوں میں ہیں خوش رنگ نفلے
اس خاک میں پنہاں ہیں کئی چاند ستارے

صناعی فطرت ہے کہ قدرت کے اشارے
یہ جھیل، یہ دریا، یہ سمندر، یہ کنارے

اس ارضِ وطن کا ہے ہر اک ٹوپ نیارا
فردوسِ کوا اللہ نے دھرتی پہ اتارا

یہ کھیت، یہ کھلیان، یہ پرست، یہ گلستاں
یہ دس جو پھولوں کا وطن ہے کہ پرستاں

عید کے دن بھی جو تونے نہ پٹ کر دیکھا
عید کے دن بھی فقط خود سے لپٹ کر دیکھا

عید کے دن بھی دیا ہم نے محبت کا خراج
عید کے دن بھی فسرہ ہی رہے دن بھر آج

عید کے دن بھی سلگتا ہی رہا دل اپنا
عید کے دن بھی نہ آیا میرا قاتل اپنا

عید کے دن بھی میں دہلیز پہ بیٹھا دن بھر
عید کے دن بھی وہ شاہد نہیں آیا دن بھر



یہ لوجھ اٹھائے ہوئے مزدور، یہ دہقان
کرتے ہیں جو دن رات مری زیت کا سال

ان خاک نشینوں سے ہے جینے کا سہارا
فردوس کو اللہ نے دھرتی پہ اتارا

اس دیں کی ہم مانگستاروں سے بھرینگے
خوں بن کے ہم اس خاک کے سینے پہ نہیں گے

اس خاک کی ناموس کی خاطر ہی جڑیں گے
اس دیں کی ہم آن پہ ہر آن مریں گے

اس دیں کی زلفوں کو ہمیں نے ہے سنوارا
فردوس کو اللہ نے دھرتی پہ اتارا



تحفہ
نئے سال کی روپسلی کرنوں کے آنگن میں
خیال کا بچھی ہنک رہا ہے

نیا سال، آشاؤں کے چند میٹھے میٹھے خواب لے
ہر آنگن میں اتر چکے ہے

اور میں اس دکھش موقع پر

تنہا بیٹھا سوچ رہا ہوں
سوچ رہا ہوں اپنے دل میں

اے میرے دیرینہ سہدم

تیری خوشی کی خاطر تجھ کو
تحفے میں کیا پیش کروں؟

بھول دُعاؤں کے ختی ہیں
تیرے خوش رہنے کی دُعا میں

وہی بتا پھر اے میرے دیرینہ ہمدرد
نئے سال کے اس موقع پر

خالی ہاتھوں آخر تکھکو
دُعا سے بڑھ کر کیا تحفہ دوں؟



اور انہی ہلکی ہلکی پاگل سوچوں میں
مہکے ہوئے کچھ حرف اچانک
نوکِ قلم پر محفل گئے ہیں

اور بالآخر میرے جذبے
درد کے کچھ بے نام سے شعلے

اور میرے رنگیں خوابوں کی
تلخ سی کچھ تشنہ تعبیریں

سیدھا روشن رستہ بن کر
مجھ کو تم تک لے آئیں ہیں

اور اچانک میری آنکھیں انگوٹوں سے بھر آئیں ہیں

نیلے امبر کو چھوٹی لبریز نگاہیں

میں نے اک بلبلی بنیاسے پوچھی یہی بات
کہ اے طیور کی ملکہ، یہ محبت کیا ہے

اُس نے اک درد بھری چیخ نکالی، یہ کہا
عشق پھولوں کی رفاقت کے سوا کچھ بھی نہیں

میں نے جب چاند سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
چاند بولا کہ چکوری کا مرے پاس آنا

پاس آنے کی تمنا میں، مگر مرجانا
عشق معصوم تمنا کے سوا کچھ بھی نہیں

میں نے درویش سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
ڈال کر مجھ پہ اچھٹی نسی نظر، وہ بولا

اُس کی چاہت میں جوانی کو بڑھا پا کرنا
عشق بس چاہنے رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں

عشق

میں نے اک شیخ سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
اُس نے ڈاڑھی کو کھینچ کر یہ بصد شوق کہا

عشق، معشوق کے قصوں میں صداقت کہاں
عشق اک وصل کی لذت کے سوا کچھ بھی نہیں

میں نے اک رند سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
اُس نے بیسانختہ اک جام کو چوما، یہ کہا

یہ تو اک راز ہے اس راز کو افشا نہ کرو
عشق میکش کی صراحی کے سوا کچھ بھی نہیں

میں نے جب دل میں اتر کر یہی پوچھا دل سے
اُس نے رو رو کے یہ اک بات بتائی مجھ کو

میرا مر کے نہ مرنا ہی محبت ہے عزیز
عشق مر کر بھی نہ مرنے کے سوا کچھ بھی نہیں



وہ ایک شخص

(حبیب حالب کی یادیں)

مومن تھا کہ مومن کی اذال تھا وہ ایک شخص
منزل تھا کہ منزل کا نشاں تھا وہ ایک شخص

بے ظلم کے، ہر جبر کے، ہر جور کے آگے
مجبوراً ایکسوں کی زباں تھا وہ ایک شخص

صدق و صفا کی راہ کو چھوڑا نہ غم بھر
عزم و وفا کا کوہ گراں تھا وہ ایک شخص

وہ امن کا داعی تھا محبت کا پیغمبر!
انسانیت کی روح رواں تھا وہ ایک شخص

گھٹ گھٹ کے اپنی ذات کے پنجے میں مگیا
مر کر بھی زندگی کا گماں تھا وہ ایک شخص

۱۲۶

پہلی بارش

اپنے دل کی پیاسی نگری
دیکھ کے خود کو کوس رہا ہوں

کیا یہ بنجر پیاسی نگری

پیاسی ہے پیاسی ہی رہیگی

یا اس پیاس نگری میں ایک دن

چھا جائیں گے کالے بادل

پھر ساون کی پہلی بارش

چھم چھم کرتی برس پڑے گی

اور میرے دل کی دنیا کی

کچی مٹی مہک اٹھے گی

۱۲۷

اور کسی دن اس مٹی سے
پہلی کو نیل چھوٹ پڑے گی

اور پھر اک دن میرے دل کا
سونا آئین بھر جائے گا

کیاری، کیاری رنگ بکھرے
سرخ گلابوں کی خوشبو سے



ختم شد

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library